السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

﴿1﴾ یمین، نذر اور تعلیق میں احناف کے لیے مسلک غیر پر کب فتویٰ دینا جائز ہے؟

موجودہ حالات میں کم علمی یا حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے لوگ ایسی قسمیں کھالیتے ہیں، جن کا پورا کرنا ان کے لیے ممکن نہیں ہوتا۔ جیسے کہ کسی کے قتل کی قسم کھائی، یا کوئی ایسی قسم کھالی جس کو پورا کرنا اس کے بس کی بات نہیں۔

بسا اوقات ایسی نذر مان لیتے ہیں کہ جن سے وہ عاجز آجاتے ہیں جیسے کہ کسی نے نذر مان لی کہ اگر میرے بیٹے کو نوکری مل گئی تو میں پوری زندگی ہر ماہ 10 روزے رکھوں گا، یا کسی نے یوٹیوب چینل کھولا اور یہ نذر مان لی کہ میرے جتنے سبسکرائبرز (Subscribers) ہونگے اتنی تعداد میں دن میں رکعات پڑھوں گا، اب سبسکرائبرز 1000 ہوگئے، تو اب وہ نذر پوری کرنے سے عاجز ہے (نیز بسا اوقات سبسکرائبرز 10 ہزار اور لاکھ سے بھی تجاوز کر جاتے ہیں)۔

بسا اوقات ایسی تعلیق کر لیتے ہیں جس کو پورا کریں تو طلاق ہو جائے گی اور اگر نہ پورا کریں تو جوع نہیں ہے جیسے کسی شوہر نے اپنی بیوی سے جھگڑے میں کہا کہ اگر تم نے اپنے والد یا بیٹے کے گھر میں قدم رکھا تو تمہیں طلاق۔ کچھ دن بعد جھگڑا ختم ہو جاتا ہے تو اب وہ بیوی پھنس گئی ہے کہ والد یا بیٹے کے گھر قدم نہیں رکھ سکتی ورنہ طلاق ہو جائے گی۔ تو ان حالات میں کیا اس طرح کی نذر، قسم اور تعلیق میں رجوع کی یا مسلک غیر پر فتویٰ دے کر کچھ تخفیف پیدا کرنے کی گنجائش ہے کہ نہیں؟ (مندرجہ بالا مثالیں حقیقت پر مبنی ہیں، کوئی فرضی نہیں۔ ان دنوں اس طرح کے بہت سے مسائل پیش آرہے ہیں)۔

﴿2﴾ موجودہ حالات میں کیا مذکورہ بالا مسائل میں کچھ نظر ثانی کی ضرورت ہے کہ نہیں؟ جبکہ حالات بہت سخت ہیں، امت کافی پریشان ہے اور کم علمی میں ایسی چیزوں کو کر بیٹھتی ہے جن کو پورا کرنا ان کے لیے ممکن نہیں۔

آپ حضرات سے درخواست ہے کہ اس پر ائمہ اربعہ کے آراء اور موجودہ دور میں ان مسائل میں نرمی برتتے ہوئے مسلک غیر پر اجازت دینے کی حاجت کو واضح فرما کر شکریہ کا موقع عطا فرمائیں گے۔

دار الافتاء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب حامداً ومصلیاً

﴿1﴾ واضح رہے کہ فتوی کا منصب اس لیے نہیں کہ لوگوں کے لیے سہولتیں یا رخصتیں تلاش کی جائیں، یا فتوی دینے میں خواہشات کی اتباع کی جائے۔ لہذا ایک مفتی کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے مسلک کے مطابق ہی فتوی دے۔ بلا ضرورت احناف کی روایات کو ترک کر کے کسی اور مذہب پر فتوی دینا جائز نہیں۔ تاہم اگر کسی مسئلے میں احناف کی

جاری ہے۔۔۔

روایات کے مطابق عمل کرنا دشوار ہو جائے، اور کسی اور مذہب کی روایت پر فتوی دینا ناگزیر ہو، تو چند شرائط کی رعایت کے ساتھ ایسا کرنا درست ہو گا:

۱) ایسی ضرورت شدیدہ کی وجہ سے دوسرے مذہب پر فتوی دیا جارہا ہو، جس کا واقعی ضروری ہونا معتبر اور متدین علماء کرام نے بتایا ہو، صرف ایک دو افراد کے کہنے سے یا ایک دو واقعات پیش آنے سے ضرورت ثابت نہیں ہوتی۔

۲) تلفیق خارج الإجماع لازم نہ آئے (یعنی ایک سے زیادہ مذاہب سے ایسے اقوال نہ لیے جائیں، جس سے ایسی صورت وجود میں آجائے جس کا کوئی بھی قائل نہ ہوا اور ایک نیا مذہب وجود میں آجائے)۔

۳) اسمیں خواہشات کی پیروی یا مذہب سے عدول کرنے پر جسارت کرنا مقصود نہ ہو۔

۴) جو قول اختیار کیا جائے اس مذہب کے تمام شرائط، اصول اور آداب کا خیال رکھا جائے۔ بہتر یہ ہے کہ اس مذہب کے معتبر ماہر علماء کرام سے بھی اس مسئلے کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ فتوی دینے والا قرآن وحدیث میں ماہر اور بصیرت رکھتا ہو۔ (ماخوذ از تبویب بتغییر 113/17)۔

﴿2﴾ صورت مسئولہ میں ذکر کردہ تینوں مسائل میں ائمہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے، جیسا کہ دیگر مسالک کی کتابوں سے واضح ہو جاتا ہے۔ اور اگر بالفرض اختلاف بھی ہو، تب بھی ان تینوں مسائل میں احناف کے علاوہ کسی اور مذہب یا قول کے مطابق فتوی دینے کی گنجائش معلوم نہیں ہوتی۔ کیونکہ ان تینوں مسائل میں ضرورت اس درجے کی نہیں کہ جس کی وجہ سے سارے یا اکثر لوگوں کیلئے مسلکِ احناف کی روایات پر عمل کرنا دشوار ہوتا ہو، یا عموم بلوی کے درجے میں لوگوں کو پریشانی کا سامنا ہو۔

مثلاً پہلے مسئلے میں شرعی حکم کے مطابق قسم منعقد ہو جائے گی اور قسم کھانے والے کیلئے قسم پوری کرنا اور قتل کرنا حرام ہے۔ لہذا اس پر لازم ہو گا کہ اپنی قسم توڑ دے اور کفارہ دے دے یا اس کی وصیت کر دے۔ اب عام طور پر اس طرح کی قسم کھانا معمول نہیں، اور اگر عام معمول ہو تب بھی اس کے حکم میں ایسی شدت اور تنگی نہیں کہ دوسرے مسلک سے رائے لینے پر مجبور ہونا پڑے۔ بلکہ ضروری ہے کہ اپنے مسلک کے مطابق عمل کر کے اس پر کفارہ لازم کیا جائے، تاکہ آئندہ وہ اس طرح قسمیں کھانے سے احتیاط کرے۔ ورنہ اگر دوسرے مسلک کی رائے یا کسی کا قول لے کر بالفرض سہولت فراہم کی جائے گی، تو آئندہ اس سے کوئی احتیاط نہیں کرے گا۔ لہذا دوسرے مسلک کی رائے پر فتوی دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

دار الافتاء

جاری ہے۔۔۔

اسی طرح دوسرے مسئلے میں مذکور نذر کا حکم یہ ہے کہ جب نوکری وغیرہ مل جائے،یاذکر کردہ مقصد حاصل ہو جائے، تو اس پر لازم ہے کہ وہ عمل کو سرانجام دے۔اور اگر بیماری یا کسی عذر سے نہ کر سکے تو وصیت کر دے تاکہ اس کی طرف سے نذر کا کفارہ ادا کیا جاسکے۔

تاہم اس مسئلے میں بھی ضرورت اتنی شدید نہیں کیونکہ اس طرح نذر ماننے کا رواج عموم بلوٰی کی طرح نہیں کہ ہر روز کسی نہ کسی کو اس دشواری کا سامنا ہو،نہ ہی اس میں بلا اختیار کوئی حکم مسلط ہے۔لہذا یہاں بھی احناف کے مسلک پر عمل کرنا ضروری ہے، تاکہ نذر پر حتی الامکان عمل ہو سکے،اور اللہ کے نام کی عظمت باقی رہ سکے۔

اسی طرح تعلیق کے مسئلے میں بھی دوسرے مسلک پر عمل کر کے گنجائش تلاش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔کیونکہ اگر تعلیق سے بچنے کا رستہ نکالا جائے،تو شوہر بجائے عبرت کے تعلیق پر اور جرأت کرے گا،اور ایک سنجیدہ حکم کو مذاق بنالے گا،لہذا احناف کے مسلک پر ہی عمل کیا جائے تاکہ تعلیق کی صورت میں طلاق ہو تو شوہر کو عبرت ہو۔

البتہ اگر کوئی تین طلاق کی تعلیق کر دے تو ضرورت سمجھ کر فقہاء نے خود اس کے لیے راہ نکالی ہے،اور حیلہ بیان کیا ہے۔لیکن مطلقاً تعلیق کے لیے راہ نکالتے ہوئے دوسرے مسلک کے قول پر فتوی دینا درست نہیں۔

أصول الإفتاء وآدابه (202) مط: معارف القرآن.

الأصل للمفتي المقلد أن لا يفتي إلا بمذهب إمامه حسب القواعد التي ذكرناها عن عقود رسم المفتي ولكن الذي يجب أن لا يغفل عنه ما فصلنا في مبحث التقليد والتمذهب من أن تقليد إمام معين فتوي مبنية علي سد الذرائع والمصالح الشرعية لئلا يقع الناس في اتباع الهوي فإن التقاط رخص المذهب بالهوي والتشهي حرام ـــ ومن هذه الجهة ربما يجوز للمفتي مذهب واحد أن يختار قول المذهب الآخر للعمل أو الفتوي بشرط أن لا يكون ذلك بالتشهي واتباع الهوي وإنما يجوز ذلك في ثلاث حالات ـــ الحالة الأولي الضرورة أو الحاجة وذلك أن يكون في المذهب في مسألة مخصوصة حرج شديد لا يطاق أو حاجة واقعية لا محيص عنها فيجوز أن يعمل بمذهب أخر دفعا للحرج وانجاز اللحاجة ـــ ولكن يجب لجواز الإفتاء بمذهب آخر بسبب الحاجة أو عموم البلوي أن تتفق شروط آتية: الأول ان تكون الحاجة شديدة والبلوي عامة في نفس الأمر لا مجرد الوهم بذلك والثاني أن يتأكد المفتي بمسيس الحاجة وذلك بمشاورة غيره من أصحاب الفتوي وأصحاب الخيرة في ذلك المجال والأحسن أن لا يتبادر بالإفتاء منفردا عن غيره بل يحاول بالقدر المستطاع أن يضم معه فتوي غيره من العلماء ـــ الثالث أن يتأكد ويتثبت في تحقيق المذهب الذي يريد أن يفتي به تحقيقا بالغا والأحسن أن يراجع في ذلك علماء ذلك المذهب الرابع أن لا يكون القول المأخوذ به من الأقوال الشاذة التي تخالف جماهير فقهاء الأمة ووقع منهم الإنكار عليها الخامس أن يؤخذ ذلك المذهب بجميع شروطه المعتبرة فيه لئلا يؤدي ذلك إلى التلفيق في مسألة واحدة.

الموسوعة الفقهية الكويتية (28/32) مط: دار السلاسل.

وقال ابن عابدين نقلا عن ابن الهمام: وقد استقر رأي الأصوليين على أن المفتي هو المجتهد، فأما غير المجتهد ممن يحفظ أقوال المجتهد فليس بمفت، والواجب عليه إذا سئل أن يذكر قول المجتهد على وجه الحكاية، فعرف أن ما يكون في زماننا من فتوى الموجودين ليس بفتوى، بل هو نقل كلام المفتي ليأخذ به المستفتي. اهـ، وعليه أن يذكره على وجه الحكاية ولا يجعله كأنه من كلامه هو، ومقصودهم أن فتيا المقلد ليست بفتيا على الحقيقة.

***

تبيين الحقائق (114/3) مط: إمدادية.

ومن حلف على معصية ينبغي أن يحنث ويكفر) أي يجب عليه أن يحنث لما روينا ولقوله عليه الصلاة والسلام «لا نذر ولا يمين فيما لا يملك ابن آدم ولا في معصية ولا في قطيعة رحم» رواه النسائي وأبو داود وهو محمول على نفي الوفاء بالمحلوف عليه ولأن البر معصية أيضا كالحنث لهتك حرمة الاسم فيجب المصير إلى أخفهما إثما وهو الحنث لأنه مرخص له شرعا بما روينا وما يلزم من المعصية في البر ليس بمرخص له فوجب الأخذ بالمرخص ولأن في الحنث فوات البر إلى جابر وفي البر لزوم المعصية بلا جابر فيجب الحنث لأن الفوات إلى خلف كلا فوات.

حاشية العدوي على شرح كفاية الطالب الرباني للعدوي (30/2) مط: دار الفكر.

(وإن حلف) إنسان (ب) اسم (الله) أو بصفة من صفاته النفسية أو المعنوية (ليفعلن معصية) من معاصي الله تعالى كشرب الخمر أو قتل نفس أو سب من لا يجوز سبه (فليكفر عن يمينه) الذي حلفه (ولا يفعل ذلك) المحلوف عليه (وإن تجرأ) أي اقتحم (ففعله) أي المحلوف عليه مع علمه بأنه معصية، ولم يبال بعقوبة عاقبته (فهو آثم) لفعله المعصية (ولا كفارة عليه ليمينه)؛ لأنه بر في يمينه.

روضة الطالبين وعمدة المفتين (20/11) مط: المكتب الإسلامي.

وإن حلف على ترك واجب، أو فعل حرام، فيمينه معصية، ويجب عليه أن يحنث ويكفر.

المغني لابن قدامة (476/13) مط: دار عالم الكتب.

اختلفت الرواية فى من حلف بنحر ولده، نحو أن يقول: إن فعلت كذا، فلله على أن أذبح ولدى. أو يقول: ولدى نحير إن فعلت كذا. أو نذر ذبح ولده مطلقا، غير معلق بشرط. فعن أحمد، عليه كفارة يمين. وهذا قياس المذهب؛ لأن هذا نذر معصية، أو نذر لجاج، وكلاهما يوصا الكفارة.

***

المحيط البرهاني (320/2) مط: دار الكتب العلمية.

بخلاف ما لو علق النذر بشرط يريد كونه، فإنه نذر من كل وجه باعتبار الجزاء والشرط جميعاً؛ لأن الشرط مرغوب فيه، والشرط باليمين بالله مرغوب عنه خوفاً عما يلزمه من الكفارة حقاً لله تعالى، بخلاف ما نحن فيه.

حاشية العدوي علي شرح كفاية الطالب الرباني (28/2) مط: دار الفكر.

فإن علق بشرط لزم عند وجود الشرط على المشهور نحو لله علي أن أعتق عبد فلان إن ملكته ـــ وقسم النذر على ثلاثة أقسام قسم معلق وهو ما علق بمتوقع، ومطلق وهو ما لم يقيد بشيء، ومبهم وهو ما ليس له مخرج ـــ ومن قال إن فعلت كذا) سواء كان واجبا أو حراما أو كيفما كان (فعلي نذر كذا) فإنه يلزمه ما نذر إن فعل ما شرطه.

كفاية النبيه في شرح التنبيه (293/8) مط: دار الكتب العلمية.

قال: ومن علق النذر على أمر يطلبه، أي: من الله تعالى: كشفاء المريض، وقدوم الغائب، أي: مثل أن قال: "إن شفى الله مريضي" أو: "قدم غائبي، فلله عليه أن أتصدق بكذا"، أو: "أن أحج"، ونحو ذلك - لزمه الوفاء به عند وجود الشرط ـــ قال الإمام في كتاب الأيمان: وكان شيخه يخصص النذر بما يظهر كونه مقصودا، وحصوله على ندور، وقد وافقه طائفة من الأصحاب.

الموسوعة الفقهية الكويتية (146/40) مط: حقانية.

نذر العبادات المقصودة: يقصد بهذه العبادات: ما شرعت للتقرب بها إلى الله تعالى مما له أصل في الوجوب بالشرع، كالصلاة والصيام والحج والاعتكاف والصدقة ونحوها. فمن نذر أيا من هذه العبادات مطلقا، أو معلقا على شرط لزمه الوفاء به بإجماع أهل العلم كما نقله النووي وابن قدامة، أو في مقابل نعمة استجلبها، أو نقمة استدفعها.

***

الجوهرة النيرة (39/2) مط: خيرية.

قوله (وإذا أضاف الطلاق إلى شرط وقع عقيب الشرط مثل أن يقول لامرأته إن دخلت الدار فأنت طالق) هذا بالاتفاق؛ لأن الملك قائم في الحال والظاهر بقاؤه إلى وقت الشرط ولأنه إذا علقه بالشرط صار عند وجود الشرط كالمتكلم بالطلاق في ذلك الوقت فإذا وجد الشرط والمرأة في ملكه وقع الطلاق كأنه قال لها في ذلك الوقت أنت طالق وإن كانت خرجت من ملكه بعد هذا القول ثم وجد الشرط وهي في غير ملكه لم تطلق وانحلت اليمين.

بداية المجتهد ونهاية المقتصد (99/3) مط: دار الحديث.

وأما تعليق الطلاق بالأفعال المستقبلة: فإن الأفعال التي يعلق بها توجد على ثلاثة أضرب: أحدها: ما يمكن أن يقع أو لا يقع على السواء، كدخول الدار وقدوم زيد، فهذا يقف وقوع الطلاق فيه على وجود الشرط بلا خلاف.

أسني المطالب في شرح روض الطالب (301/3) مط: دار الكتاب الإسلامي.

تعليق الطلاق) (تعليقه جائز) كالعتق ولأنه قد يكره طلاقها فيدفع بتعليقه تنجيزه واستأنسوا له بخبر «المؤمنون عند شروطهم» ـــ ولا يجوز الرجوع فيه كالحلف ـــ فلا يقع قبل) وجود (الشروط ولو) كان معلوم الحصول أو (قال عجلته) أي الطلاق المعلق لتعلقه بالوقت المستقبل.

المغني لابن قدامة (427/7) مط: المكتبة القاهرة.

وإذا علق طلاقها على شرط مستقبل، ثم قال: عجلت لك تلك الطلقة. لم تتعجل؛ لأنها معلقة بزمن مستقبل، فلم يكن له إلى تغييرها سبيل. وإن أراد تعجيل طلاق سوى تلك الطلقة، وقعت بها طلقة، فإذا جاء الزمن الذى علق الطلاق به، وهى فى حباله، وقع بها الطلاق المعلق.

الدر المختار (221) مط: دار الكتب العلمية.

فحيلة من علق الثلاث بدخول الدار أن يطلقها واحدة ثم بعد العدة تدخلها فتنحل اليمين فينكحها.

كذا في الكتب الآتية:

الموسوعة الفقهية الكويتية (314/12)، (166/18)، (255/36) مط: دار السلاسل، النهاية (115/10) مط: أم القري، الشرح الممتع علي زاد المستنقع (219/15) مط: دار ابن الجوزي، الفقه الإسلامي وادلته (2561/4) مط: دار الفكر، الفتاوي الهندية (416/1) مط: حقانية.

واللہ اعلم بالصواب

بندہ محمد واسل سعید عفا اللہ عنہ

دار الافتاء جامعہ اشرف المدارس کراچی

۲۹/صفر المظفر/۱۴۴۵ھ

۱۶/ستمبر/۲۰۲۳ء

الجواب صحیح

بندہ محمد یونس لغاری عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ اشرف المدارس کراچی

۲۹/صفر المظفر/۱۴۴۵ھ

الجواب صحیح

احسان اللہ عفا اللہ عنہ

۱/۳/۱۴۴۵ھ

الجواب صحیح

محمد اللہ عفی عنہ

۳۰/۲/۱۴۴۵ھ

دار الافتاء

فتوی نمبر ۱۸-۲۳۸

۲/۳/۱۴۴۵ھ